آزادی کی تحریکیں

مقالہ خصوصی

(عبیداللہ قدسی کی کتاب پر بے لاگ تبصرہ)

سید عطاء الحسن بخاری

"آزادی کی تحریکیں"--- مجلد، خوبصورت، گردپوش، کتابت گوارا، عمدہ طباعت کے ساتھ "ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور" نے ۱۹۸۸ء میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب ہم نے کتب منڈی لاہور سے خریدی، لفظ لفظ بغور پڑھا۔

جہاں تک کتاب کے مندرجات کا تعلق ہے ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب تاریخ کی کتاب تو ہرگز نہیں البتہ ایک مخصوص کیمپ کے متعصب رکن کی جھنجھلاتی ہوئی آراء کا مرقع ہے جس میں مؤلف موصوف نے پوری جانب داری کے ساتھ اسلاف مرحومین کی نہاشی کی ہے اور ان کی پُرخلوص جانگاہ تگ و تاز کو انتقامی جذبات کے اڑنگے پر لاکر بڑھی زور دار پٹخنی دی ہے کتاب کے دیباچہ میں عبیداللہ صاحب نے کتاب کے مندرجات و مفاہیم کا جو تعارف لکھا ہے وہ اس طرح ہے۔

۱- مسلمان ہندوستان میں آئے تو اپنی تہذیب علم و عمل قانون اپنا ریاستی نظام حتیٰ کہ ریاست کو چلانے کے لئے افراد بھی ساتھ لائے۔

۲- مسلمانوں نے غریب ہندوؤں پر مہربانیاں کیں انہیں ہندو برہمنوں کے استبدادی پنجے سے چھڑایا تو وہ لوگ مسلمان ہوگئے۔

۳- پھر ان نو مسلموں اور بقایا غیر مسلموں نے سماجی، معاشی، اور سیاسی سکون حاصل کیا اور خوب ترقی کی۔

۴- پھر یہی ویش چھتری اور اچھوت جو مسلمان ہوگئے تھے تبلیغ اسلام کا بارِ امانت بھی انہوں نے ہی اٹھایا۔

۵- برہمنوں اور وڈیروں نے زیرِ زمین سازشوں کا جال بچھایا اور "مسلمانوں" کو ملیچھ کہا اور ہندو ازم کے پرچار اور غلبہ کے لئے مختلف سیاسی روپ دھارے۔

۶- مسلمانوں کے گھروں میں ہندو لڑکیاں گھس گئیں اور ہندو مفادات کے تحفظ کے لئے ہندو عمائد درباروں کی زینت بن گئے۔

۷- ان کی اس سازش کا تار و پود بکھیرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی نے اولاً اور شاہ ولی اللہ نے ثانیاً تحریک اصلاح شروع کی۔ مجدد صاحب کی تحریک صرف سرکای حلقے تک محدود تھی جبکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک اگرچہ کلیتہً مذہبی بنیادوں پر تھی مگر اجتماعی تحریک تھی۔

۸- ان دونوں تحریکوں کے ثمرات سید احمد شہید نے سمیٹے انہوں نے آزاد حکومت قائم کرلی لیکن بالاکوٹ میں وہ بھی دم توڑ گئی۔

۹- یہ شکست در شکست ۱۸۵۷ کی شکست پر منتج ہوئی اور پھر

اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

۱۰- اس خاک کے ڈھیر میں پھر ایک چنگاری سلگی اور اس نے سید احمد خاں کا روپ دھارا۔

۱۱- صرف سرسید کی تحریک ہی مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا باعث ہوئی اور اسی تحریک کا ثمر مسلم لیگ ہے جس نے مسلمانوں کو ہندو ازم سے نجات دی۔

۱۲- تحریک خلافت، جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار اسلام، تحریک ریشمی رومال کے اکابر و اصاغر برہمنوں اور ہندو سازشیوں کا صید زبوں تھے۔

۱۴- علم کے معاملے میں کورے تھے، ان پر جمود طاری تھا، پیش بین نہ تھے، نگہ بلند نہ تھی کوتاہ اندیش تھے اور یہی بات ان کی شکست و ریخت کا سبب بنی۔

اب ذرا عبید اللہ صاحب کی عبارت آرائی ملاحظہ ہو:

> ریشمی رومال اور احرار کی تحریک میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ اپنے زمانے کے علوم سے کس حد تک واقف تھے۔ علم کی حدیں اُفق کی جس بلندی تک پہنچ گئی تھیں اس کا ان حضرات کو بالکل اندازہ نہ تھا اس لئے عقل کی محدود بصیرت پرانی ٹیکنیک سے وابستہ رہی چنانچہ ان کا علم بھی عقل سے برسرِ پیکار رہا اور ان کے مقابلہ میں دوسروں نے علم و عقل کی پیش بینی سے یہ تحریک چٹکیوں میں اڑا دی۔"(۱)

۱۴- یہ مسلّمہ اصول ہے کہ علم کے بغیر تبدیلیٔ زمان و مکان دیوانے کا خواب ہے اور بس۔ جن لوگوں نے بھی تاریخ کا رخ موڑا ہے وہ پیکرِ علم و ہنر تھے اور عقل و دانش ان کا اسلحہ تھا اسی سے ارتقاء و تسخیر کا عمل پھوٹتا ہے۔

۱۵- تقلید ہلاکت ہے۔ اجتہاد حیاتِ تازہ ہے، مذہبی پیشوائیت بدبودار لاش ہے تجربہ و اکتشاف ہی نشانِ منزل ہے۔

آخری دونوں باتوں کے لئے مؤلف نے اقبال کو حوالہ بنایا ہے۔(۲)

ہمارے نزدیک دیباچہ کتاب، آئینہ کتاب ہے اور آغاز ہی تضادات پر مبنی ہے۔ تیسری بات ہی تضاد کا شکار ہے جو پہلی بات کی ضد ہے۔ عبید اللہ صاحب نے ہندوستان میں آنے والے مسلمانوں کے بارے میں لکھا

۱- دیباچہ "آزادی کی تحریکیں" ص: ۲۳

۲- یہ تمام مقتبسات دیباچہ کتاب ص: ۱۹ سے ص ۲۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہے کہ وہ اپنی تہذیب اپنا علم و عمل اپنا قانونِ ریاست اور اربابِ اختیار بھی اپنے ہمراہ لائے لیکن زورِ تحریر میں وہ یہ بتانا بھول گئے کہ مسلمان حکمران علماء و مبلغین بھی ہمراہ لائے تھے ورنہ وہ اتنی بڑی حماقت نہ کرتے کہ پھر ہندوستان کے ملیچھ جو مسلمان ہوگئے تھے وہی تبلیغ اسلام کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے حالانکہ یہ بات تاریخ کے ایک بتدی کو بھی معلوم ہے کہ جب مسلمان سندھ میں وارد ہوئے تو ان کے ہمراہ اور ان کے ورود کے بعد چار سو سے زیادہ صحابہ و تابعین سندھ میں آباد ہوئے انہوں نے دو نئے شہر آباد کئے جو علومِ قرآنی و عصری علوم کا گہوارہ تھے تبلیغ اسلام کا کام بھی انہی لوگوں نے کیا۔(۳) دوسری طرف ساحلِ مالابار پر عرب تاجر تجارت کے پرامن انقلابی راستہ سے واردِ مالابار ہوئے اور انہوں نے آٹھویں صدی عیسوی سے تبلیغ و تجارت کے حسین امتزاج سے موپلوں اور سموریوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا اور پندرھویں صدی تک پانچ سو میل لمبے ساحلِ ہند پر راج کیا۔(۴) میں پوچھتا ہوں عبید اللہ صاحب ہندوستان میں اسلام کے کسی ایسے مبلغ کا نام نامی بھی بتلائیں جو اصلاً ہندو ملیچھ ہو اور مبلغِ اسلام بھی ہو؟ افسوس صد افسوس کہ علم کو انقلاب امم کی اساس بتلانے والے خود ہی اس میدانِ خرلنگ کے پانچویں سوار ہیں اور جو جی میں آیا اُسے حرفِ آخر اور حتمی بات مان کر صفحۂ قرطاس پر گھسیٹ دیا۔ حالانکہ تاریخ ہند میں یہ حقیقت بھی آفتابِ نصف النہار کی طرح تابندہ و روشن ہے کہ عرب براہِ مالابار ہی دکن، دلی لاہور اور شیخوپورہ تک آئے۔(۵) اور تجارج و تبلیغ سے ہندوازم کی بیخ کنی کرتے رہے۔

عبید اللہ صاحب نے صدیوں پر محیط ملتِ اسلامیہ کی دینی تاریخ کو چند سطروں میں منضبط کرنے کی طفلانہ سعی کی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی تجزیاتی منفی تحریریں تاریخ کا احاطہ کر سکیں اور خود تاریخ کا حصہ بن سکیں۔ عبید اللہ صاحب نے حضرت مجدد صاحب کی تحریک کو اصلاحی تحریکوں کی سرخیل تحریک کہا ہے کیا وہ جانتے نہیں کہ مجدد صاحب فاروقی ہیں پھر شاہ ولی اللہ دہلوی، آپ بھی فاروقی ہیں۔ سید احمد شہید، سید نا علی کی آل حسنی ہیں، ان سے پہلے اکابر علماء ہند حضرت معین الدین چشتی اجمیری حسینی، علی بن عثمان ہجویری (داتا گنج بخش) حسینی---- آل رسول و علی، حضرت عثمان (لعل شہباز قلندر) مروندی ہیں۔ ہندوستانی ملیچھ ہرگز نہیں۔ اسی طرح خواجہ نظام الدین اولیاء قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ گیسودراز، حضرت صابر کلیری رحمہم اللہ، یہ تمام اور ان کے حلقہ بگوش سیکڑوں مبلغین اسلام ہرگز ویشوں، چھتریوں، اور اچھوتوں کی اولاد نہیں تھے۔

یہ بھی درست نہیں ہے کہ حضرت مجدد صاحب کی تحریک صرف سرکاری ماحول میں تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے حلقہ بگوش علماء، عوام اور خواص تینوں طبقوں کے لوگ تھے اس کا اثر تھا کہ حکمران اور ان کے موالی اس قوت کے سامنے جھک گئے اور عہدِ جہانگیری میں تھوڑی سی تبدیلی رونما ہوئی(۶) ورنہ عبید اللہ صاحب

۳۔ تذکرہ سلیمان تونسوی خواجہ، محمد حسین للٰہی

۴۔ کمپنی کی حکومت، باری علیگ

۵۔ کمپنی کی حکومت، باری علیگ، تاریخِ گجرات، شیخ کرامت اللہ

۶۔ تعلیماتِ مجددیہ، ملک حسن علی جامعی

جیسے "علمی" عہدِ اکبری میں "حلمی" ہو کر رہ گئے تھے حضرت مجدّد صاحب نے ایسے ہی صوفیوں، نام نہاد علماء و متجددین کی سب سے پہلے اصلاح کی، پھر اربابِ اختیار کے فکر کج کا آپریشن کیا۔(۷)

یہی راستہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ان دونوں بزرگوں کے انقلابی روّیوں میں تو فرق ہو سکتا ہے فکر و عمل اور انقلابی راہ کی تعیین میں کوئی فرق نہیں تھا۔ پھر عبید اللہ صاحب نے قلم کاری کے جوہر دکھاتے ہوئے ایک سانس میں یہ سب کچھ لکھ دیا کہ ۱۸۵۷ء کی شکست سابقہ تینوں اصلاحی تحریکوں کی شکست کا نتیجہ تھا یہ بھی ان کا محض ذاتی فیصلہ ہے جسے وہ تاریخ کا حصہ بنا کر ریکارڈ غلط کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے بے چون و چرا اطاعت مانگی ہے اُن کی رائے کو اپنے تابع بنایا ہے انہیں اپنا ور کر بنایا ہے اپنا حاکم، متبوع یا رائے زنی کرنے کے لئے کھلا نہیں چھوڑا۔ تاریخ اس حقیقت پر سب سے بڑی مادی شہادت ہے کہ جب بھی دین کو مان کر دین اور اس کی تعبیر و تشریح میں امراء، روساء اور ان کے حلیف عبید اللہ صاحب ایسے "علماء" نے ذاتی رائے کو شامل کیا، زمانی تغیرات سے متاثر و مرعوب ہو کر تجدید شریعت کا "فریضہ" سر انجام دیا تو تو مسلمان زندقہ، الحاد اور اباحیت کے ہاتھوں گھائل ہو گئے۔ اکبر نے ہندو ازم سے متعہ کر لیا اور جہانگیر نے فرنگیوں سے سول میرج کر لی۔ پندرھویں صدی کے اواخر اور سولھویں صدی کے آغاز میں جہانگیر کے دربار میں یورپ کے بھیڑیے، بھیڑ کے لباس میں داخل ہوئے۔ پھر ان دونوں جہلِ مرکب کے پیکروں نے اسلامی عقائد، اسلامی عبادات، اسلامی معاملات اور اسلامی اخلاقیات میں ویدانت اور ماڈرن سولائزیشن کا زہر گھولا۔(۸) اس تہذیبی، سماجی و سیاسی اختلاط نے عوام و خواص پر بُرے اور گہرے اثرات مرتب کئے بقول سیدنا علیؓ:

"الناس علی دین ملوکهم-" لوگ اپنے بڑوں کے دین پر چلتے ہیں۔

خواص نے ان اثرات کو عام زندگی میں پھیلایا، حکمرانوں نے سرپرستی کی ان دونوں طاقتوں کی زد میں آنے والے حکمران اربابِ اختیار، رؤساء اور جاگیردار عیش و عشرت حرام خوری اور حرام کاری کے نرغے میں آ گئے۔ حدود اللہ پامال ہونے لگیں اعمال کا جمال لُٹ گیا حقوق العباد کی کائناتِ لطف و کرم تاخت و تاراج ہو کر رہ گئی تو قہر الٰہی نے یورپ کے بھیڑیے کی کھال کھینچ کر اصل روپ میں ظاہر کر دیا۔ اور سرزمینِ ہند دہکتا ہوا جہنم بن گئی۔۔۔ عبید اللہ صاحب! آپ نے پھر مجرمانہ اغماض کیا اور علماء کی محنت و تگ و تاز سے آنکھیں موند لیں۔ ۱۸۵۷ء کی اس نارِ نمرود کو فرو کرنے کے لئے صرف اور صرف انہی علماء نے جہاد کا علم بلند رکھا جنہوں نے صرف اطاعت کو فکر، علم، عقل اور دانش کی لگام بنائے رکھا انہی کی اقتداء میں عوام و خواص نے مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو کنارے تک پہنچانے کے لئے جہاد کیا اور حریت کے اس معرکہ کو جہاد کہا۔ سر سید احمد خاں صاحب نے تو اس جہاد کو غداری کہا، اطاعت کی رسّی گردن سے نکال لی اور یورپ کی بے حیا و بے غیرت سولائزیشن کو قبول کیا، پھر انھوں نے تجدد

۷۔ تعلیماتِ مجددیہ، ملک حسن علی جامعی ۸۔ کمپنی کی حکومت، باری علیگ۔۔۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، سید طفیل منگلوری

"کارہائے نمایاں" سر انجام دیئے وہ یہی تو ہیں کہ

فرشتوں کا انکار کیا

جنات کا انکار کیا

جنت و دوزخ کا انکار کیا

عذابِ قبر کا انکار کیا

حیات بعد الموت کا انکار کیا۔(۹)

اور علماء کے خلاف جس نفرت کا بیج سرسید احمد خاں نے بویا تھا وہ آپ کی "صورتِ جمیلہ" میں اب ایک تناور درخت ہے۔ جو غلطی اکبر و جہانگیر نے اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوتے ہوئے کی وہی غلطی اور جرم ۱۸۵۷ء میں فرنگی مقامروں کے خانہ ساز "مسلم وڈیروں" نے کی جن کو آپ مسلم کانفرس سے یاد کرتے ہیں----- یہ بالکل درست ہے کہ علماء ہند نے فرنگی اقتدار اور فرنگی کی سولائزیشن سے مفاہمت نہیں کی---- مزاحمت کی! یہی ان کا وہ جرم ہے جسے آپ ایسے کور بصرانِ تجدید، علم کی کمی اور پیش بینی کی محرومی بتلاتے ہیں۔ اگر ہندو دیویاں مغلوں کے حبالہ، عقد میں آگئیں تھیں تو آپ ایسے پسندیدہ انقلابیوں کے گھروں میں بھی تو یورپ کی کافر حسینائیں ڈیرے ڈالے نظر آتی ہیں۔ اور ان مغلوں کے احباب بھی تو علماء اور صوفیاء کی بجائے یورپ کے کفار و مشرکین ہی رہے ان کے فکرِ جدید کی اساس بھی فکر فرنگ ہی رہا، حتیٰ کہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں بھی سرسید احمد خان نے ہی تحریف و تغییر کا "معرکہ آراء کارنامہ" سر انجام دیا اور اسلاف مفسرین کو خوب خوب کوسا، رگیدا، رسوا اور بدنام کیا۔(۱۰)

تحریکِ حضرت مجدد، تحریک شاہ ولی اللہ، تحریک سید احمد شہید، اور جہاد آزادی ۱۸۵۷ء کی راکھ سے سرسید نے جنم نہیں لیا بلکہ آپ نے اور آپ کے محمود اسلاف نے جہانگیر کی فکری، نظریاتی، یا سیاسی و اجتماعی حماقتوں سے اُٹھنے والے شعلوں سے جنم لیا ہے۔ انہوں نے امت مسلمہ کی سیاسی اجتماعیت کو پارہ پارہ کیا تو سرسید احمد خان صاحب نے ملت اسلامیہ میں جدید و قدیم، مولوی اور مسٹر کی فکری، نظریاتی اعتقادی اور عملی زندگی میں تقسیم در تقسیم کا "کارِ خیر" انجام دیا جو آپ کی نگاہ میں مجدّد صاحبؒ، شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کا ثمر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

پھر عبید اللہ صاحب! آپ "اجتہاد" کے نشے میں یہ بھول ہی گئے کہ فرنگی جب ہندوستان میں آئے تو وہ بھی اپنے مدرّس، مبلغ، سیاستدان، تاجر، قانون، قانون دان، تہذیب، افکار، عقائد، نظریات اور علم و حکمران بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے نیا نصاب تعلیم، نئے مدرس، نئی عمارت، نیا لباس اور نئی تہذیب اپنی محکوم قوم کو دی---- اور تاریخ کا کلیہ ہے کہ محکوم قومیں حاکموں کی تہذیب کو قبول کرتی ہیں----

---

۹۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل، سیّد طفیل منگلوری ۱۰۔ ۱۸۵۷ء، غدر کے اسباب اور اصحابِ الکہف والرقیم، سرسید احمد خان کافی و وافی ہیں۔

ان کی اطاعت ہی ان کے مستقبل کی کامیابیوں کی ضمانت ہوتی ہے--- اور ان کی غلامی کی صداقت پر سب سے بڑی دلیل فکر و عمل میں حکمرانوں کی چھاپ ہوتی ہے۔

آپ نے اور آپ کے ممدوح "اکابرِ امت" نے جس عمل کو انقلاب اور کمال زندگی لکھا ہے وہ فرنگی کی تہذیبی، سیاسی، فکری و نظریاتی غلامی ہے، اطاعت ہے، اور فرنگی کی "بندہ پروری" پر مہرِ تصدیق ہے۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ نہیں۔

سرسیدؔ احمد خاں کی فکری جماعت نے یورپین کلچر سے کیا حاصل کیا؟

عورت کی بے پردگی--- اور

مرد و عورت کا اختلاط!

عورت کا ناچ گانا، فلموں ڈراموں میں ایکٹ پلے کرنا، وڈیروں جاگیرداروں اور اربابِ اختیار کا "پرائیویٹ" سیکرٹری بننا، سیاسی کبڈی میں "مثبت رول" اداء کرنا" گیمز میں حصہ لینا، شراب، زنا بالرّضا، جُوا، نائٹ کلب، سینما، جھوٹ، سیاسی فریب، بلیک مارکیٹنگ، رشوت، پراپیگنڈہ، اور نہ جانے کیا کیا کچھ ثقافت اور کلچر کے نام پر عام کیا اور "مسلمانوں" کا جزوِ زندگی بنا دیا۔

قرآن کی لفظی و معنوی تعلیم سے محرومی

حدیث رسول ﷺ کی لفظی و معنوی تعلیم سے محرومی

فقہ کی لفظی و معنوی تعلیم سے محرومی

نمازیں غائب غلّا

روزہ انتا غفیل

دینی اخلاقیات غتر بود

توحید، رسالت، قیامت، عرش، کرسی، ملائکہ، جنت، دوزخ، عذابِ قبر، ثوابِ قبر، حیات بعد الموت، آسمانی کتابوں، صحیفوں اور الواح کے متعلق تشکیک و ارتیاب، ان معتقدات کے خلاف مودمنٹری انداز سے مضامین، لیکچر اور کتابوں کی بھرمار۔

سُنّت کا انکار، حدیث کی تدوینِ نو کا مطالبہ، "فقہ فرسودہ ہو چکی ہے" فقہ جدید کی ترتیب کا تقاضیٰ اور ترتیب---- اور انتہا یہ کہ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، در آئے جس کا جی چاہے لہذا "تجدیدِ شریعت"! دین کو ملّائیت کہہ کے رد کرنا اور اپنے مجتہدات کو دین کہنا اور ہم ایسے لوگوں کو چپ کرانے کے لئے پراپیگنڈے اور سرکاری مشینری کے ذرائعِ ابلاغ عامہ پر چھائے رہتے ہوئے علامہ اقبال کا سہارا بطورِ ڈھال کے پیش کر دینا یہ ہیں سرسید اور متجدّدین کے کمالات!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور کس کے لئے کھلا ہے اور کس اجتہاد کا دروازہ بند ہے اور کن کن لوگوں کے لئے بند ہے؟

سولہویں صدی سے لے کر آج بیسویں صدی تک کے اوراق پارینہ و صفحات تازہ اس حقیقت کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں کہ علماء امت نے کبھی بھی مادّی اجتہاد سے نہ تو روکا نہ اس کی مخالفت کی---- ہاں یہ درست ہے کہ علماء نے مادّی اجتہاد بھی نہیں کیا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء بے وسائل ہو کر مادی اجتہاد کیونکر کر سکتے تھے جبکہ تمام وسائل مُغلوں اور ان کے حلقہ اثر کے "ٹیکنو کریٹس" کے پاس تھے یہ ان کی ذمہ داری تھی نہ کہ علماء کی! یا عبید اللہ صاحب ایسے "عالی ظرف" نقادوں کی جنھوں نے ہر دور کی تہذیبی یلغار سے مفاہمت کو اجتہاد کہا پھر اس کی دُم اُٹھا کے اس کے اندھے مقلد بن گئے۔

ہم ہو گئے اسی کے جو نہ ہو سکا ہمارا

رہا دین کی تعبیر و تشریح کے لئے اجتہاد تو سیدھی سی بات ہے کہ قرآنِ حکیم کی وہی تعبیر و تشریح معتبر ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کی--- کیونکہ تبیین و تعبیر کا حکم سب سے پہلے حضور ﷺ کے ذمہ ہے۔ اکثر تو حضور ﷺ متنِ قرآن کی تشریح قرآن کے متن سے فرماتے اور کبھی کبھی اپنے اجتہاد سے! اس دور میں جو تشریحات حضور ﷺ سے منقول ہیں وہ یا تو بہ صورتِ قرآن ہیں یا بصورتِ "حکمت" اور حکمت، قرآن کے علاوہ سوائے سنت و حدیثِ رسول ﷺ کے اور کچھ نہیں ہے---- کسی اور مضمونِ قرآن کو اللہ یا رسول نے حکمت کہا ہو تو وہ عبید اللہ صاحب واضح کریں یا مسٹر یوسف گورایہ سے پوچھ لیں، خواجہ عبدالحکیم، غلام احمد پرویز اور اقبال (مرحوم و مغفور) کی قلم کاریوں میں سے کہیں نشاندہی کریں۔

قرآن (الکتب) اور سنت و حدیث (الحکمۃ) میں تو اجتہاد ہو چکا۔ اس میں تو اب اجتہاد کی ضرورت ہی باقی نہیں---- اور اگر آپ کو مجتہدات رسول ﷺ سے اتفاق نہیں تو اسی جرأت کے ساتھ اس کو رد کریں جس جرأت کے ساتھ آپ نے ہندوستان کے سابقہ عہد کے علماء کی خدمات کو رد کیا ہے۔ ان مجتہدات رسول کو ملائیت کہہ کے رد کرنا بزدلی اور منافقت ہے۔ اور جدید پیش آمدہ عصری مسائل کیا ہیں----؟ اگر تو انسانی معاشرہ کے مسائل ہیں تو انسانی معاشرہ کے مسائل ہر دور میں اکثر ایک سے رہے ہیں۔ اور وہ بعض مسائل جو فکر و نظر کے اضطراب کا سبب ہوں تو انہیں قرآن و حدیث کی اتباع میں حل کر کے اصلاحِ احوال کا راستہ تلاش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کمال کس کے پاس ہے۔ سرسیّد کی جماعت کے پاس؟ جو ہر کلپر کی آمد پر اس سے مفاہمت کو اجتہاد کا معیار قرار دیتی ہے؟ یہ عجیب تماشا ہے کہ جوتا بنوانے کے لئے تو جفت ساز کے پاس جائیں مگر دین میں غور و فکر، تدبر، تفقہ اور اجتہاد کے لئے وہ لوگ اپنا حق منواتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ تک پڑھ نہیں سکتے۔ یہ کیسا ظلم ہے جو آپ لوگ روا رکھتے ہیں اور اسے "علم" کہتے ہیں---- اگر حضور ﷺ کے عہدِ گرامی میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو اجتہاد کی

اجازت ملی تھی تو غور کرنا چاہیئے کہ معاذ بن جبلؓ کس کے فکر و عمل اور عقیدہ و نظریہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی شخصیت تھی۔ حضور ﷺ نے انہیں تربیت کی تمام گھاٹیوں سے گزار کر ہی تو اس منصب کا اہل سمجھا تھا۔ آج کے اس دور میں معاذ بن جبلؓ کی صرف مثال لکھ دینا ہی کیا آپ ایسوں کے "حق اجتہاد" کو تسلیم کر لینے کے لئے کافی ہے؟ اگر صرف یہی بات کافی ہوتی تو ہمارے اور آپ کے ممدوح خود اجتہاد کرتے---- مگر آفرین ہے اقبال کے، کہ اس نے علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور علامہ سید سلیمان ندوی سے استفادہ تو کیا، اُنہیں اپنی رائے سے آگاہ تو کیا مگر مسندِ اجتہاد پر براجمان ہونے کی جرأت نہیں کی--- اقبال کا نام لے کر سر سید کا ترمیم پسند گمراہ ٹولہ تمام تر علمی، عملی، اخلاقی اور روّیوں کی پستیوں سے آراستہ فاسقوں، فاجروں کو مسندِ اجتہاد پر سجانا چاہتا ہے-----

ہمارا--- اور ہمارے اسلاف کا مشترکہ ایک ہی جرم ہے کہ ہم نے یورپ کے بدفطرت، اخّس و ارذل سامراجیوں کی نہ تو سیاست قبول کی اور نہ ہی اس کے حرامی وٹامی کلچر میں مدغم ہو سکے---- ہم نے اس کی مزاحمت کی اور اس مزاحمت میں اپنا سب کچھ گنوایا۔ آپ نے اور آپ کے ممدوح ترمیم پسند گمراہ ٹولے نے ان سامراجیوں کی غلامی کی---- اور غلامی میں ان کے تمام ذمائم کو حرزِ جاں بنایا اور اطاعت فرنگ کے صلہ میں ہمارا چھینا ہوا مال جائیداد ان سے لیا---- ظاہر ہے فرنگی نے اپنے تابعداروں پر ہی مہر وفا لگانی تھی مزاحمت کرنے والوں کو کون بخشتا ہے---- اور پھر حکمران چھینا ہوا مال کب واپس انہی کو دیتے ہیں جن سے چھینا جائے۔

عبید اللہ صاحب نے کتاب نہیں لکھی انتقام کی بھٹی کے انگارے مرحومین کی قبروں پر پھینکے ہیں اور وہ اس "علم و پیش بینی" کے "عمل صالح" میں یہ بھول گئے کہ

تم بناؤ گے اگر شیشے کا گھر
بالیقیں برسیں گے پتھر سوچنا!

ہم نے سمجھا تھا کہ شرافت اسی کا نام ہے کہ جب سیاسی عمل میں ایک پارٹی اپنی سیاسی شکست تسلیم کر لے تو پھر جیتنے والی پارٹی اور اس کے حاشیہ نشینوں کو بھی شرافت کی زبان بولنی چاہیئے۔ مگر یہ عبید اللہ صاحب بھی عجیب الخلقت لکھاری و ناقد ہیں، کہ وہ محض لکھ لکھ کر کاغذ کا منہ کالا کرنے کو ہی کمالِ تحریر سمجھتے ہیں۔ میرا ایک شک ہے اللہ کرے وہ غلط ہو، کہیں عبید اللہ قدسی صاحب سر ظفر اللہ آنجہانی کے پروردہ لوگوں میں سے نہ ہوں---- یاد پڑتا ہے اُنہیں پیام شاہجہان پوری اور ثاقب زیروی ایسے قادیانیوں سے گہرا تعلق ہے۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو پھر انہیں اس سے زیادہ آگ برسانے کا حق حاصل ہے۔ جن کے "سلطان القلم" نے حضور ﷺ فداہ ابی اُمّی کو نہیں بخشا ان کے سامنے سابقہ ہندوستان کے علماء مرحومین کی کیا حیثیت ہے!---- عبید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ

"آزادی کی چوتھی عظیم الشان تحریک جو آخر کامیابی سے ہمکنار ہوئی مسلم لیگ ہے۔ مسلم لیگ علالت سے پہلے شروع ہوئی اس وقت ہندوستان میں تین ہی قوتیں تھیں، ہندوؤں کی

کانگریس، مسلمانوں کی مسلم لیگ اور تیسری حکومت---

درمیان میں خلافت تحریک نے اپنے دور میں عوامی حیثیت اور کل ہند کی تحریک کی صورت اختیار کرلی تھی اس لئے مسلم لیگ پس پشت رہ گئی تھی، مسلم لیگ کا دوسرا دور قائد اعظم کی واپسی سے شروع ہوتا ہے یہ دور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء کا ہے۔"[۱۱]

عبید اللہ صاحب نے نہایت سادگی سے مسلم لیگ کو آزادی کی عظیم الشان تحریک کہا۔ حالانکہ یہ بات ریکارڈ میں موجود ہے کہ مسلم لیگ آزادی کی تحریک ہرگز نہ تھی بلکہ برطانوی سامراج کی وفا کیشی میں ہندوؤں سے سبقت لے جانے کی آرزومند نوابوں، سمروں، خان، بہادروں اور ٹوڈیوں کی جماعت تھی جنہوں نے احیاء اسلام، بقاءِ اسلام یا حکومت اسلامیہ قائم کرنے کے لئے یہ جماعت قائم نہیں کی تھی بلکہ صرف اور صرف انگریز کی وفاداری میں ہندوؤں سے پیچھے رہ جانے کے غم میں گھل گھل کر پریشان رہنے والے ٹوڈی جاگیرداروں، خان بہادروں اور سمروں نے اپنی وفاداریاں برٹش امپریلزم سے مضبوط کرنے کے لئے یہ پلیٹ فارم سجایا تھا--- انہی خان بہادروں نے اس سے پہلے تین مرتبہ فرنگی سامراج کے چرنوں کو چھوا اور درخواستیں دیں مگر ہر بار دھتکارے گئے، راندے گئے، مگر وہ انگریزی دربار کی دہلیز پر مسلسل جبہ سائی کرتے رہے اور انگریزی آقاؤں کی خوشنودی کے حصول کے لئے جبینِ نیاز جھکاتے رہے۔ عبید اللہ صاحب ملاحظہ کیجیے۔[۱۲] یہ اسی ترمیم پسند گمراہ ٹولے کا حصہ ہے جو تہذیب فرنگ قبول کرتا ہے اور سامراجی اقتدار سے مفاہمت کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس کی اطاعتِ کاملہ قبول کر کے دنیا کے اور محض کمینی دنیا کے مقاصد حاصل کرتا ہے۔

مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد:

تاریخ کی شہادت و استدلال کا زناٹے دار تھپڑ عبید اللہ صاحب کی رکیک و ژولیدہ فکر کے مکروہ چہرے پر پڑتا ہے مگر ڈھٹائی کی انتہا ہے کہ ذلتوں کے گڑھے میں گرتے ہیں، خلافتِ عمل ان کی روحوں کو کوڑھی کرتی ہے مگر یہ اس کو کامیابی جانتے ہیں بلکہ اس خلامی کو عظیم الشان کامیابی خیال کرتے ہیں۔ عبید اللہ صاحب کی ممدوحہ و مستوصہ مسلم لیگ کا قیام جس پس منظر میں ہوا وہ تو قارئین نے ملاحظہ کیا۔ اب ملاحظہ کیجئے وہ عبارت جو اکابر مسلم لیگ کے "قلمِ حقیقت رقم" نے "سلکِ مروارید" میں پروئی ہے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں نواب وقار الملک کی صدارت میں وہ سیاسی جلسہ منعقد ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس کے حسب ذیل مقاصد قرار دیئے گئے۔

الف۔ مسلمانانِ ہند کے دل میں برٹش گورنمنٹ کی نسبت وفادارانہ خیالات کو ترقی دینا، اور گورنمنٹ کی کسی کارروائی کے متعلق ان میں جو غلط فہمی پیدا ہو اسے دور کرنا۔

۱۱- دیباچہ آزادی کی تحریکیں، ص ۲۵۱ ۱۲- مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۳۵۷ تا ص ۳۶۹

ب- مسلمانانِ ہند کے پولیٹیکل حقوق و فوائد کی نگہداشت کرنا اور ان کی ضروریات اور خواہشات کو مؤدبانہ طریقہ سے گورنمنٹ میں پیش کرنا۔ (۱۳)

ج- لیگ کے دیگر مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانانِ ہند میں ایسے خیالات پیدا نہ ہونے دینا جو دوسرے فرقوں کی نسبت معاندانہ ہوں۔

جب مسلک لیگ کے قیام نیک فرجام کی خبر انگلستان میں پہنچی تو وہاں کے مشہور اخبار ٹائمز نے بہت خوشی منائی جس کا اعتراف خود مسلم لیگ بمبئی کے پریذیڈنٹ سر سید رضا علی نے اپنے خطبہ صدارت میں کیا کہ فرنگیوں نے کلمہ شکر اداء کیا اور اس بات پر بغلیں بجائیں کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی جماعت قائم ہو جانے سے اب ہندوستان میں صلح نہ رہے گی۔ (۱۴)

ہندوستان کی آزادی کی نام نہاد تحریک ملکی قومی زندگی میں پھوٹ ڈال کر انگریزی سامراج کے اقتدار کو مضبوط کرتی رہی اور اپنی وفاداریوں پر فرنگی ٹامیوں سے دعائیں لیتی رہی۔ انہی دو حوالوں پر اکتفا کرتا مگر ایک حوالہ تو "وفاء وصدق و صفا" اور فرنگی دہلیز کی بوسہ بازی میں حیران کن ہے۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں مسلم لیگ کے پہلے بزرگ سیکرٹری جنرل نواب وقار الملک بہادر علی گڑھ تشریف لے جاتے ہیں اور مسلم طلباء سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

> "ہماری تعداد بہ مقابلہ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے۔ اب اگر کسی وقت ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہو گا اور اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے۔ ہمارے حقوق کی حفاظت تبھی ہو سکتی ہے جبکہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمر بستہ رہیں۔ ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم و ملزوم ہیں۔ انگریزوں کے بغیر ہم اس عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر مسلمان دل سے انگریزوں کے ساتھ ہیں تو ہندوستان سے انہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ ان کو اس عمدہ خیال کی تلقین کی جائے کہ وہ اپنے تئیں مثل ایک انگریزی فوج کے تصور کریں اور تاج برطانیہ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کرنے اور اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہیں اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہایت ادب اور متانت سے طلب کریں نہ کہ اس طریقہ پر جس پر ہمارے دیگر ابناءِ وطن کا عمل ہے اور اس سے میری مراد ایجی ٹیشن کے طریقے سے ہے۔ پس تمہارے

۱۳- مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۳۶۹

۱۴- خطبۂ صدارت مسلم لیگ، دسمبر ۱۹۲۴ء منعقدہ بمبئی، بحوالہ روشن مستقبل ص ۳۷۰

دل میں ہر وقت جو ایک خیال موجزن رہنا چاہئے کہ اس سلطنت کی حمایت کرنا تمہارا قومی فرض ہے۔ تم فٹ بال کھیلنے میں مشغول ہو یا کرکٹ کے میدان میں کود پھاند کر رہے ہو یا ٹینس کے کھیلنے میں سرگرمی دکھا رہے ہو غرضیکہ اس قسم کی ہر ایک حالت میں تم اپنے تئیں انگریزی فوج کے سولجرز خیال کرو۔ تم تصور کرو کہ انگریزی پرچم تمہارے سروں پر لہرا رہا ہے۔ تم یقین کرو کہ تمہاری یہ دوڑ دھوپ اس لئے ہے کہ تم ایک تاجِ برطانیہ پر (اگر اس کو ضرورت ہو) اپنی جانیں نثار کرو اور انگریزی سپاہیوں کے ساتھ مل کر اس سلطنت کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ گلہ بگلہ لڑو اگر یہ خیال تم نے ذہن نشین رکھا تو مجھ کو امید ہے کہ تم اپنی قوم کے لئے باعثِ فخر ہوگے اور آئندہ نسلیں تمہاری شکر گزار ہوں گی اور تمہارا نام ہندوستان کی انگریزی حکومت کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔(۱۵)

یہ ہے مسلم لیگ کا قومی کردار آزادیٔ وطن کے لئے منشور و لائحہ عمل! درجہ بالا اقتباس کو بار بار پڑھیں اور عبید اللہ صاحب خصوصاً--- پھر بتائیں کہ آزادی کا وہ کونسا قانون ہے جس کی یہ تفسیر ہے کیا یہ آزادی کا منشور ہے یا طوق غلامی! کہ مسلمان انگریزی دربار میں غلامی کا فرض ادا کرتے رہیں تاکہ انگریزوں کو ہندوستان سے کوئی نہ نکال سکے اور مسلمان انگریزوں کے دشمنوں کے خلاف بھرپور جنگ لڑتے رہیں۔ آخر وہ کون لوگ تھے جو انگریزوں کے خلاف صف آراء تھے؟ وہ کون لوگ تھے جو اپنے حقوق لڑ کر لینا چاہتے تھے بلکہ چھیننا چاہتے تھے؟ وہی--- جنہیں وقار الملک اور عبید اللہ قدسی دونوں نے مطعون کیا ہے یہ وہی بہادر ماؤں کے سپوت، سُنتِ نبوی ﷺ کے وارث برحق تھے، جنہوں نے کسی اعتبار سے فرنگی اقتدار، فرنگی تہذیب و تمدن، فرنگی افکار و نظریات کو قبول نہیں کیا۔ نہ تو ان اکابر میں کوئی ڈپٹی نذیر احمد جیسا "شمس العماء" تھا اور نہ ہی سرسید جیسا "انقلابی" جس کو خود ڈپٹی نذیر احمد نے ابن الوقت کہا۔ شاہ احمد سعید، شاہ عبدالغنی مجددی، مولوی احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خان، مولوی محمد جعفر تھانیسری، اہبیلہ کے مجاہدین وارث تھے مجدد کی تحریک اور شاہ ولی اللہ کی تحریک کے! ڈپٹی نذیر احمد، سرسید، وقار الملک، نواب محسن الملک، سر سلیم اللہ، سر آغا خاں وغیرہ اکبر، جہانگیر اور فرنگی کے وارث تھے۔ انہوں نے یہ وراثت بڑی امانت داری سے سنبھالے رکھی اور کوشش کی کہ یہ امانت سر شفیع و سر فضل حسین تک بھی پہنچے مگر وہ متحارب گروپ کی شکل میں سامنے آگئے اور یہ سارا حسنِ عمل نیت کا شر تھا کہ ڈھاکہ، کراچی، علی گڑھ کے اجلاسوں میں تمام سر، نواب، بہادر، خاں بہادر، اکٹھے ہوئے جب انہیں علم ہوا کہ قومی یا اسلامی مسئلہ نہیں بلکہ شخصی، خود غرضی، مفاد پرستی اور انگریز پرستی کا مسئلہ ہے تو تقریباً سارے خان بہادر اپنی اپنی ڈفلی بجانے اور اپنا راگ گانے کی فکر میں لگ گئے جنہیں علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۱۸ مارچ ۱۹۰۸ء نواب سر مزمل اللہ خاں بہادر کی کوٹھی میں نواب وقار

۱۵- نواب وقار الملک خطاب علی گڑھ مارچ ۱۹۰۷ء، روشن مستقبل ص ۳۷۱-۳۷۲

الملک کے استعفیٰ کی خوشی میں متحد کیا گیا اور ان کی جگہ ان سے مضبوط انگریزی مفادات کے محافظ میجر سید حسن سیکرٹری بنادیئے گئے۔(۱۶)

اگر یہ مسلم لیگ قومی عوامی جماعت تھی تو کیوں عوام میں سے کوئی آدمی بھی صدارت و نظامت کے عہدوں پر نظر نہیں آتا، مسلم لیگ نے ابتدائی پانچ برس اسی طرح سرکار و دربار کا طواف کرتے اور ذاتی مفادات، مناصب عہدہ جات، اور درخواستہائے وفاداری میں گزار دیا۔ انگریزوں کے دربار میں جاتے تو وہ انہیں دھکے دے کر نکال دیتے مگر انہوں نے تو دربار فرنگ میں سر کے بل جانے کی قسم کھا رکھی تھی۔ ان کے اس کسمپرسی کے عالم رسوائی کا نقشہ ایک فرنگی نے یوں کھینچا۔ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔

"مسلمانوں میں ایک دور میں اس قدر دینی جوش تھا کہ وہ ہزاروں میل کے فاصلہ سے ہزاروں مجاہد اور روپیہ سرحد میں پہنچاتے تھے۔"(۱۷)

مگر اب چند عہدوں اور ممبریوں کے لالچ اور سابقہ خطابات کی بقاء و تحفظ کے لئے وہ اس قدر خوفزدہ ہیں کہ خود کو فرنگی سامراج کا سولجر کہلانے پر فخر کرتے ہیں۔ اور دل سے اس کی بقاء کے لئے جدوجہد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔(۱۸) اس تمام ذلّہ رسائی اور وفاداریوں کی یقین دہانیوں کے باوجود علی گڑھ کالج کے مسلمان طلباء کو حکومتِ برطانیہ کا غلام بنا کر بھی علی گڑھ میں مسلم لیگ کا مرکز نہ بنا سکے۔ سرجان ہیوٹ، ان کے آقائے ولی نعمت اور پالیسی میکر نے تھوڑی سی غلطی پر نواب وقار الملک سمیت تمام نوابوں، ٹوڈیوں، سروں اور خان بہادروں کو علی گڑھ سے دھکے دے کر نکال دیا اور اپنے سب سے بڑے دلاّل ہزہائی نس سر آغا خاں کو حکم دیا کہ اپنے چھوٹے سروں کو لے کر لکھنؤ چلے جاؤ۔(۱۹) اور یہ نامرادانِ کوئے فرنگ دم سادھے دم دبائے لکھنؤ پدھارے۔

۱۸۸۵ء سے انگریز کو اپنی وفاداریوں، دلداریوں، اور محبتوں کی یقین دہانیاں کرانے والے اور ۱۸۹۳ میں محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کرنے والے پھر ۱۹۰۱ء میں محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن کا بہروپ دھارنے والے معتمدین فرنگ نے ۱۹۱۰ء میں اپنی سابقہ ۲۵ سالہ ناکامیوں، ذلتوں اور رسوائیوں کے باوجود در فرنگ سے اپنی پیشانیاں نہ اٹھائیں۔ دربار فرنگ میں ایسے جھکے کہ جھکتے ہی چلے گئے۔ اس تمام ترنکبت و ادبار سے دوچار ہونے کے بعد فرنگی ڈپلومیسی نے اپنے پالتوؤں پر ایک اور کاری ضرب لگائی اور اب ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا روپ دھارنے والے ان بزرگوں کی ذلّت و دل شکنی کا ایک اور چرکہ لگایا کہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں فرنگی ملک معظم کا دربار لگا۔ تمام ذلہ رہایانِ فرنگ جمع ہوئے تو ان فرنگی آقاؤں نے تقسیم بنگال منسوخ کردی جس کے متعلق ان درباری مسلم لیگیوں کو

۱۶- روشن مستقبل ص ۳۷۵-۳۷۶ ۱۷- روشن مستقبل ص ۳۶۵

۱۸- نواب وقار الملک، خطاب علی گڑھ مارچ ۱۹۰۷ء روشن مستقبل ص ۳۷۱-۳۷۲

۱۹- جنوری ۱۹۱۰ء روشن مستقبل ص ۳۷۷

بہت گھمنڈ تھا کہ یہ ان کا "عظیم الشان" کارنامہ ہے مگر حکم کی منسوخی کے بعد مارچ ۱۹۱۲ء میں نواب سلیم اللہ صاحب اضطراب و خفت کے عالم میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تقسیم بنگال سے اگرچہ ہمیں کچھ فائدہ نہ تھا مگر پھر بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ فائدہ ہے اس لئے ہمارے بدخواہوں (سر آغا خاں، اور سید امیر علی) نے اس تقسیم کو ختم کروادیا کہ وہ حکومت برطانیہ ہند کے ہم سے بھی زیادہ معتمد و محبوب ہیں۔ دراصل ہم یہ سمجھتے ہیں کہ منسوخیٔ تقسیم صرف اس لئے ہوئی کہ انگریز کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں شریک ہونے والے مسلمانوں اور ہندو نے انگریز بہادر کو جوش دلایا۔ نفرت بڑھی تو ہماری طرف داری کے باوجود حکومتِ ہند نے ہم سے مشورہ یا اطلاع کے بغیر ہی یہ کام بھی کر ڈالا

"اور ہم نے بشرط وفاداری کے ضبط کیا۔"(۲۰)

ہم ہزہائی نس سر آغا خان کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

تاہم وہ مسلمانوں کو گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔"(۲۱)

نواب سر سلیم اللہ صاحب مسلم لیگ سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئے اور چند ماہ بعد گمنامی کے عالم میں فرنگی کے دربار سے ربِ اکبر کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔(۲۲)

پھر جناب نواب وقار الملک جلوہ آرا ہوئے اور گورنمنٹ کے اس ظلم پر یوں قلم طراز ہیں:

"گورنمنٹ کی یہ پالیسی بمنزلہ ایک توپ خانہ کے تھی جو مسلمانوں کی "مردہ لاشوں" پر سے گزر گیا بدوں اس احساس کے کہ ان غریب لاشوں میں سے کسی میں کچھ جان بھی ہے اور ان کو اس سے کوئی تکلیف ہو گی۔" (۲۳)

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

فروری ۱۹۱۲ء میں سیکرٹری جنرل مسلم لیگ عزیز مرزا صاحب کا انتقال ہوا تو سید وزیر حسین صاحب جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے انھوں نے لیگی گشتی مراسلہ جاری کیا جس میں مسلم لیگ کے مقاصد میں "ہندوؤں سے حسنِ تعلقات" (۲۴) کا اضافہ کیا۔ ہندوؤں فرنگی سے حسن تعلقات تھے تو ان تعلقات کی برکات سے سرکاری درباری خطاب یافتگانِ عہد فرنگ "مردہ لاش" مسلمان بن گئے اب ہندوں سے "حسنِ تعلقات کا عظیم الشان" کارنامہ بھی آزادی کی عظیم الشان تحریک مسلم لیگ نے ہی سرانجام دیا۔ حکومت کے دستر خوان کی لذت حکومت سے بھی الگ نہ ہونے دیتی تھی اور عوامی سطح پر الگ وجود منوانا از بس کہ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لہذا ہندوؤں

۲۰- روشن مستقبل ص ۳۸۲---------- ۲۱- روشن مستقبل ص ۳۸۳---------- ۲۲- روشن مستقبل ص ۳۸۳

۲۳- وقار حیات ص ۶۹۹ بحوالہ روشن مستقبل ص ۳۸۳---------- ۲۴- روشن مستقبل ص ۳۸۵

کے چرنوں کو چھونے میں ہی مسلم لیگ نے عاقبت سمجھی۔ ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ سے جدِ فرنگ زادہ کی کوڑھی روحوں کی اصلاح کے لئے حضرت علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے تین تنقیحات قائم کیں۔ اور برطانوی ہند کے ان مغرب زادگان کو سیدھی راہ پر چلانے کی سعی فرمائی۔ مسلم گزٹ میں لیگ کے خوب لیے تھے اور ان کی مردہ روحوں کو جھنجھوڑا۔[۲۵] ان مقالات، تنقیدات اور شبلی کی ہجو یہ نظموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو لکھنؤ میں پھر یہ مردہ لاشیں سر شفیع کی صدارت میں جمع ہوئیں اور مقاصد مسلم لیگ کی "ٹیوننگ" کی گئی مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایسے ایسے ذی عقل و ذی علم ذی فہم، فرنگی دربار کی دہلیز سے سر نہ اٹھا سکے اور یہ نام نہاد تبدیلیاں ختم کر دی گئیں۔

۱- مسلمانوں میں سلطنتِ برطانیہ کی وفاداری کے خیالات کی جگہ ملک کے لوگوں میں تاجِ برطانیہ کی وفاداری کے خیالات پھیلانا قائم کیا گیا۔

۲- ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جگہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی اور دیگر حقوق و ترقی درج کیا گیا۔

۳- تاج برطانیہ کے تحت ہندستان میں حسبِ حال (سوٹ ایبل) گورنمنٹ حاصل کرنا۔

۴- مسٹر مظہر الحق کی زبردست جارحانہ تنقید اور بحث سے ریزولیشن بھی پاس ہوا کہ ہندو مسلمان مل کر ترقی کریں۔

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں مسز سروجنی نائیڈو اور بہت سے کانگریسی لیڈر بھی شریک ہوئے۔

ع- یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

۱۸۸۳ء میں ہندوؤں سے روٹھنے والے "تحریک آزادی کے عظیم الشان" علم بردار" دوسری مرتبہ ہندوؤں کے چرنوں میں آ رہے۔[۲۶]

کجا آں شورا شوری و کجا ایں بے نمکی

۱۹۱۵ء میں بمبئی کے اجلاس میں جو مسٹر مظہر الحق کی صدارت میں ہو رہا تھا مسٹر محمد علی جناح اور مولانا حسرت موہانی کے حامیوں میں انتہا درجہ کی بد کلامی ہوئی۔ مسٹر محمد علی جناح کی درخواست پر ایس پی پولیس، چھے پولیس افسر پچاس کانسٹیبل اجلاس سے باہر جمع ہو گئے۔ خفیہ پولیس کے کارکن وزیٹر پاس لے کر اندر گھس گئے مولانا حسرت موہانی نے تقریر شروع کی تو انہیں روک دیا گیا۔ بمبئی لیگی کارکن مولوی عبدالرؤف نے پوری قوت سے مولانا کے بولنے کا حق مانگا جو حالات کی نزاکت کے تحت مل گیا۔ مولانا نے مسلم لیگ اور کانگریس کے "اختلاط" کو غیر فطری قرار دیا اس پر جناح صاحب کے حلقہ نے انہیں "رجعت پسند" قرار دیا۔ گڑبڑ کے اندیشہ کے تحت اجلاس

۲۵- روشن مستقبل ص ۳۸۹ ۲۶- روشن مستقبل ص ۳۹۰

ملتوی ہوا دوسرے روز اجلاس تاج محل ہوٹل میں ہوا پبلک جلسہ کی صورت میں چونکہ ممکن نہ رہا تھا اس لئے "رجعت پسندوں نے حسرت موہانی گروپ کو نودو گیارہ کر دیا اور اس پرائیویٹ میٹنگ میں مسلم لیگ نے ترقی پسند گروپ کے لیڈر مسٹر جناح صاحب کی تحریک سے ایک کمیٹی بنائی جو کانگریس سے مل کر اصلاحات کی سکیم تیار کرے۔[۲۷] ان حالات کا ہزبائی نس سر آغا خان "مجاہد آزادی" پر بہت بڑا اثر ہوا انہوں نے غضب کے عالم میں اس روش کو دھتکارتے ہوئے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا جو اسی اجلاس میں پیش ہوا اور قبول کیا گیا---- ان کے بعد آزادی کے دوسرے "عظیم مجاہد" مہاراجہ سر محمد علی آرائے محمود آباد تیسرے صدر کی شان میں جلوہ ہائے صدارت مسلم لیگ ہوئے۔[۲۸]

تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشا ایست

دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے اجلاس میں جو مسٹر محمد علی جناح صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں سر جیمس سٹن لفٹیننٹ گورنر بھی نگرانی فرمانے آ ہے تھے۔ اس اجلاس میں بمبئی کے اجلاس میں بنائی گئی کمیٹی کا فارمولا پاس ہوا اور "مسلم لیگ، کانگریس" میں "عقد" ہو گیا۔ خوب تالیاں بجیں مبارک سلامت کی صوتیاتی لذتیں حاصل کی گئیں اور یہ سب کچھ مسٹر محمد علی جناح صاحب بیرسٹر اور مسٹر اے رسول صاحب بیرسٹر کی کاوشوں، محنتوں، قربانیوں اور جانفشانیوں سے ہوا[۲۹] جسے بعد میں مسلم لیگ والے بڑے طمطراق سے میثاق لکھنؤ کے مقدس نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کامیابی پر اتراتے ہیں۔ پہلے کانگریس سے لاتعلقی وجہ اعزاز و کمال تھی اب تیس سال بعد لیگ کانگریس کا "وصال کامل" بھی اعزاز ہے۔

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

نیشلسٹ مسلمان کانگریس میں شامل ہوں، یا اس سے تعاون کریں تو وہ زر خرید غلام، ذلّہ ربا، ذلیل، رسوا، کمینے، گھٹیا، بکاؤ مال، شو بوائے اور مسلم لیگی اکابر و اصاغر فرنگیوں کے گماشتے رہیں یا کانگریس کے مطیع و فرمانبردار--- تو یہ "آزادی کے علم بردار" اور یہ مسلم لیگ، آزادی کی عظیم الشان کامیاب تحریک!

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

پھر اسی اجلاس میں پاس کیا گیا کہ کانگریس کی ہی اسکیم اصلاحات پاس کی جائے۔ کہیں تو ہندو برہمن سے قریب ہونا دو قومی نظریہ کے خلاف اور نیشلسٹ مسلمان غدار اور یا یہ عالم کہ کانگریس کی متفقہ اسکیم اصلاحات پاس کی جا رہی ہے اور اس کی روشنی میں پورے ہندوستان میں یہ کانگریسی مسلم لیگ سیاسی ترقی کی شاہراہ پر چل نکلتی ہے

۲۷- روشن مستقبل ص ۳۹۲---------۲۸- روشن مستقبل ص ۳۹۳-------۲۹- روشن مستقبل ص ۳۹۵

اس دور خی، بدرنگی اور بے حمیتی کا نام ہے حریت، مساوات، اور عدل؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

مسلم لیگ جو کچھ بھی کرتی رہے وہ سب بلندیٔ فکر، علم، پیش بینیٔ حالات، جدید سیاسی ٹیکنیک، افق تک پہنچنے والی نگہ بلند کے کرشمہ ہائے کمال۔ اور یہی عمل اگر نیشلسٹ مسلمان اپنائیں تو وہ اب تک مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ عبید اللہ صاحب ملاحظہ فرمائیں۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

یہ ہے مسلم لیگ کی زریں تاریخ حریت--- جو فکر و عمل کی وادیوں میں بار بھٹکتی ہے، گرتی ہے، زخموں سے چور چور ہوتی ہے--- دربار فرنگ سے مسلسل دھتکاری جاتی ہے اور بلاخر ہندو کی مشرک کانگریس کے ساتھ مشرکانہ اشتراک و اتحاد کے لئے جھک جاتی ہے۔ کیا یہ درست نہیں کہ

مسلم لیگ سروں، خان بہادروں اور نوابوں کی مفاداتی تخلیق ہے۔

مسلم لیگ سرکاری اشاروں پر اپنے "عمل صالح" کے رخ بدلتی رہی۔

مسلم لیگ کانگریس سے الگ ہوئی سرکار کی منشاء سے اور عقد ثانی ہوا تو گورنر کی نگرانی و رضا سے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مسٹر اے رسول بیرسٹر اور مسٹر محمد علی جناح بیرسٹر گورنر کی نگاہ انتخاب کے معمول تھے۔ اور یہ تمام کارروائی صرف اس لیے کی گئی کہ ہندوستان میں مولانا شبلی، مولنا محمود حسن اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی بے پناہ علمی فکری کاوشوں، عملی جدوجہد اور قربانیوں سے سیاسی فضا تبدیل کر دی تھی اور انگریز اس سے بہت خائف تھا۔ انگریز نے بھانپ لیا تھا کہ انقلابی مسلمان نے ہندو بزدل قوم میں بھی انقلاب کی لہر بیدار کر دی ہے اگر یہ دونوں طبقے مل گئے تو میرے اقتدار کے دن بہت تھوڑے رہ جائیں گے۔ اس نے اپنے گورنر کی نگرانی میں اپنے درباری لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد کا نمائندہ بنایا کیونکہ ان دونوں جماعتوں کی اساس سلطنت و تاج برطانیہ سے وفاداری، غلامی، اور تابعداری پر تھی--- بہ خلاف دیگر نیشلسٹ مسلمانوں کے۔

----- یہ تھی مسلم لیگ کے "کارناموں" کی سرگزشت! جو ہمیں محض اس لئے دھرانا پڑی کہ تحریک آزادیٔ برصغیر کی خاطر اپنی جانوں کو وارنے والوں اور آزادی کے راستے میں بند باندھنے والوں کے کردار کی نشاندہی کی جا سکے۔ اور تاریخ کا دوسرا رخ بھی قارئین کے سامنے رکھا جائے جو نام نہاد اور جاندار تاریخ نویسوں نے عمداً نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔

عبید اللہ قدسی ایسے مصنفین کو یہ حقیقت اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ اب ان کا دور لد گیا اور حقیقت و سچائی نکھر کر سامنے آ رہی ہے۔ یہ حق و صداقت کی قوت کا ہی اعجاز ہے کہ مفاد پرست قلم کاروں کے پھیلائے ہوئے

بقیہ صـ ۳۲ پر